حرفِ آغاز

تزکیہ-قرآن کی ایک اصطلاح

(۲)

سید جلال الدین عمری

اخلاق کا تزکیہ

اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے فرائض میں اعلیٰ اخلاق کی تعلیم بھی شامل رہی ہے۔ وہ اخلاق عالیہ کا درس ہی نہیں دیتے، بلکہ انسان کی سیرت کو پاکیزگی اور رفعت بھی عطا کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے مکارم اخلاق کی ترغیب دی ہے اور اخلاق کی بلندی کو اہلِ ایمان کا ایک نمایاں وصف قرار دیا ہے۔ وہ رذائل اخلاق سے ان کے دامن کو پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک اعلیٰ اخلاق کا سرچشمہ ایمان ہے۔ صحیح معنیٰ میں ایمان کی دولت نصیب ہو تو زندگی کے ہر گوشہ میں رذائل سے پاک اور انتہائی شائستہ کردار وجود میں آتا ہے۔ یہ دراصل تزکیہ ہی کا ایک پہلو ہے۔ غضِّ بصر اور عفت و عصمت کے ذریعہ انسان بلندی کردار کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ یہ اخلاق کا تزکیہ ہے۔ قرآن نے اہل ایمان کو ہدایت کی ہے:

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (النور:۳۰)

مومنوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ اس میں ان کے لیے زیادہ پاکیزگی ہے۔ بے شک اللہ، جو کچھ وہ کرتے ہیں، اس سے باخبر ہے۔

آنکھوں کا بھٹکنا بدکاری کا پیش خیمہ ہے۔ اس سے ناجائز تعلقات کی راہیں کھلتی ہیں۔ اسی لیے غضِ بصر کا حکم دیا گیا ہے۔ غضِ بصر کے معنیٰ ہیں آنکھوں کو جھکا لینا یا بند کر لینا۔ اس پر عمل ہو تو بدکاری سے بچا جا سکتا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا: ذٰلِک

ازکیٰ لھم ،(یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے)ازکیٰ اور تزکیہ کا مادہ ایک ہے۔اس میں طہارت اور پاکیزگی کا تصور پایا جاتا ہے۔

معاشرت کا تزکیہ

تزکیہ کی وسعت میں معاشرت کا تزکیہ بھی شامل ہے۔ایک جگہ ارشاد ہے کہ جو عورتیں طلاق (بائنہ) کے بعد سابقہ شوہروں سے باہم رضامندی سے اور دستور کے مطابق نکاح کرنا چاہیں تو انہیں اس سے باز نہ رکھو۔اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو اس کی نصیحت کی جارہی ہے۔اس کے بعد فرمایا:

ذَلِكُمْ أَزْكَى لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ (البقرہ:۲۳۲)

یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ اور زیادہ صاف ستھرا طریقہ ہے۔اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

آیت میں 'ازکیٰ و اطھر ' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ان کا جو مادہ ہے وہی تزکیہ اور تطہیر کا بھی ہے۔آیت کا مطلب یہ ہے کہ مطلقہ عورت کو نکاح سے نہ روکنا اس کی اور معاشرہ کی پاکیزگی کا بہترین ذریعہ ہے۔اس سے اخلاق کی حفاظت ہوتی ہے اور بے راہ روی کے امکانات کم ہوجاتے ہیں۔یہی تزکیہ کا مقصد ہے۔

آدابِ معاشرت کے ذیل میں فرمایا گیا کہ کسی کے مکان میں داخل ہونے سے پہلے اس سے اجازت حاصل کرو اور سلام کرو۔اس کے بغیر اس میں داخل مت ہوجاؤ۔یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔توقع ہے تم نصیحت حاصل کروگے۔اگر مکان میں کوئی موجود نہ ہو تو بھی بغیر اجازت کے اندر نہ جاؤ۔اجازت ملنے ہی پر جاؤ۔اگر تمہیں واپس جانے کے لیے کہا جائے تو واپس ہوجاؤ (اسے اپنی ہتک نہ سمجھو)۔

اس ہدایت کی حکمت واضح ہے۔آدمی کا گھر اس کی خلوت کی جگہ ہے۔جہاں وہ کسی بھی حال میں اور اپنے کسی بھی کام میں مصروف ہوسکتا ہے۔اس میں بغیر اجازت دخل اندازی بہت سے مفاسد کا سبب بن سکتی ہے۔کم سے کم بے حجابی کا ماحول تو پیدا ہوتا ہی ہے۔اسی لیے اس ہدایت کے بعد ارشاد ہوا:

ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔(النور:۲۸)

اس میں تمہارے لیے زیادہ پاکیزگی ہے ۔اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس میں 'ازکیٰ' کا لفظ آیا ہے۔جس کے معنی بہتر تزکیہ کے ہیں۔

راہ خدا میں استقامت بھی تزکیہ ہے

حضرت موسیٰؑ نے اپنی رسالت کے ثبوت میں معجزات پیش کیے تو فرعون نے انہیں جادو کے کرتب قرار دیا اور ہر طرف سے جادوگروں کو جمع کیا، تاکہ اس کا مقابلہ کریں۔لیکن جادوگر جیسے ہی میدان میں آئے ان پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ حضرت موسیٰؑ شعبدہ بازی اور جادوگری کا مظاہرہ نہیں کر رہے ہیں، بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور جو معجزات پیش فرما رہے ہیں وہ انسان کی استطاعت سے باہر ہیں۔ چناں چہ وہ بغیر کسی پس و پیش کے ایمان لے آئے اور سجدے میں گر پڑے۔اس پر فرعون نے انہیں دھمکی دی کہ وہ ان کے ہاتھ پیر کاٹ کر تختۂ دار پر چڑھا دے گا۔اس کے جواب میں انہوں نے بے خوف وخطر کہا کہ جو کچھ تمہیں کرنا ہے کر گزرو۔ہم تو ایمان لے آئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں سے درگزر فرمائے اور تمہارے جبر و اکراہ کی وجہ سے ہم نے حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں آنے کی جو غلطی کی اسے بھی معاف فرما دے۔(طٰہٰ:۵۶-۷۳)

اس کے بعد ارشاد ہے:

إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِماً فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِناً قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَن تَزَكَّىٰ

(طٰہٰ:۷۴-۷۶)

بے شک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم کی حیثیت سے آئے گا اس کے لیے جہنم ہے، جس میں اسے موت آئے گی اور نہ حیات ملے گی۔لیکن جو اس کے ہاں ایمان لے کر آئے گا اور اس نے نیک اعمال انجام دیے ہوں گے تو ایسے سب لوگوں کے لیے اونچے درجات ہوں گے۔قیام کے لیے باغات، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔یہ جزا ہے اس شخص کی جس نے تزکیہ حاصل کیا (پاک ہوا)

ان آیات کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ یہ جادوگروں ہی کے بیان کا حصہ ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ نیا سلسلۂ کلام ہے۔[۱]

ان میں سے جو رائے بھی اختیار کی جائے، بہر حال یہ اوپر کی بحث ہی سے متعلق ہیں۔ ان آیات میں دو اصولی باتیں بیان ہوئی ہیں:

ایک یہ کہ جس نے کفر اور بدعملی کی راہ اختیار کی اور جو مجرم اور خطا کار رہے وہ آخرت میں اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ وہ بدترین اور لامتناہی عذاب میں گرفتار ہوگا اور موت وحیات کی کشمکش سے ہمیشہ دوچار رہے گا۔ اس سے فرعون کا کردار اور اس کا انجام سامنے آتا ہے۔

دوسری بات یہ کہی گئی کہ جو شخص اپنے دامن میں ایمان اور عمل صالح کی دولت لیے ہوئے اللہ کے دربار میں پہنچے گا وہ جنت کے اعلیٰ درجات کا مستحق ہوگا۔ اس کے پس منظر میں جادوگروں کا کردار ہے۔ حق کے واضح ہونے کے بعد انہوں نے جس طرح آگے بڑھ کر اسے قبول کیا، اس کے لیے عزم وہمت اور استقامت کا ثبوت دیا اور جان کی بازی لگانے کے لیے بے خوف وخطر تیار ہوگئے، یہ اسی کے انجام کا ذکر ہے۔ بات اس پر ختم ہوئی ہے:

وَذٰلِکَ جَزَآءُ مَنْ تَزَکّٰی۔ یہ جزا ہے اس شخص کی جس نے تزکیہ حاصل کیا۔

یہ اس بات کا بیان ہے کہ جنت کے اعلیٰ درجات تزکیہ ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔[۲]

حافظ ابن کثیر اس فقرے کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''یہ جزا ہے اس شخص کی جس نے اپنے نفس کو گندگی اور خباثت اور شرک سے پاک کیا، اللہ کی عبادت کی، جو وحدہ لاشریک ہے، اللہ کے رسولوں کی تعلیمات کی جو خیر وفلاح پر مشتمل ہیں، اتباع کی''۔[۳]

[۱] بیضاوی، انوار التنزیل: ۵۳/۲

[۲] امام رازی فرماتے ہیں۔ دلت ھذہ الأیة علیٰ ان الدرجات العالیة ھی جزاء من تزکیٰ. ای تطھر من الذنوب. التفسیر الکبیر، جلد ۱۱، جزء ۲۲، ص ۷۹

[۳] 'وذلک جزاء من تزکیٰ' ای طھر نفسه من الدنس والخبث والشرک وعبدالله وحده لاشریک له واتبع المرسلین فی ماجاء وا به من خیر و طلب۔ تفسیر ابن کثیر: ۱۶۰/۳

جادوگروں کا قبولِ حق، ان کی استقامت اور حضرت موسیٰؑ کی اتباع اس بات کا ثبوت تھا کہ ان کو تزکیہ کا یہ اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

سیاست کا تزکیہ

زندگی کے اور شعبوں کی طرح سیاست کا بھی تزکیہ ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول اس پہلو سے بھی تزکیہ کا فرض انجام دیتے ہیں۔ فرعون، خود کو خدا کا نمائندہ اور اقتدار کا مالک سمجھتا تھا۔ وہ اپنے درباریوں سے کہتا ہے:

يَآاَيُّهَا الْمَلَاُ مَاعَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِي (القصص:۳۸)

اے اہلِ دربار، میں تو اپنے سوا تمھارے کسی خدا کو نہیں جانتا۔

مطلب یہ کہ میں تمہارا 'الٰہ' ہوں۔ یہاں صرف میری فرماں روائی ہوگی۔ لہٰذا تم کسی دوسرے کو الٰہ نہیں قرار دے سکتے۔ حضرت موسیٰ نے اسے الٰہِ واحد کی عبادت کی دعوت دی تو وہ طیش میں آگیا اور کہا:

لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَهاً غَيْرِیْ لَأَجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُونِيْنَ (الشعراء:۲۹)

اگر تو نے میرے سوا کسی دوسرے کو الٰہ بنایا (حاکم ٹھہرایا) تو بے شک تجھے (قید کردوں گا اور) قیدیوں کے ساتھ ڈال دوں گا۔

ایک اور موقع پر اس کا دعویٰ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۔(النازعات:۲۴) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

اس پس منظر میں، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا:

اذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى o فَقُلْ هَلْ لَّکَ إِلَى أَن تَزَكَّى o وَأَهْدِيَکَ إِلَى رَبِّکَ فَتَخْشَىٰ o (النازعات:۱۷-۱۹)

جاؤ فرعون کے پاس، بے شک وہ سرکش ہوگیا ہے۔ اس سے کہو کہ کیا تو اس کے لیے تیار ہے کہ تیرا تزکیہ ہو (اور تو سنور جائے) اور میں تجھے تیرے رب کا راستہ دکھاؤں کہ اس کا تجھے خوف ہو۔

یہ دراصل اس بات کی دعوت تھی کہ خدا صرف ایک ہے اور کسی دوسرے کو خدائی کے دعوی کا حق نہیں ہے۔ اس لیے فرعون کو اپنی مطلق اور بے قید فرماں روائی سے دست بردار ہو کر خدا کی ہدایت اور اس کے قانون پر عمل کرنا چاہیئے۔ اس میں ایک طرف فرعون کے ربِّ اعلیٰ ہونے کی تردید تھی اور دوسری طرف اسے اسلام قبول کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کی دعوت تھی۔ اسی کو تزکیہ کہا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس 'هَلْ لَکَ اِلَیٰٓ اَنْ تَزَکّٰی' کے معنی بیان کرتے ہیں کہ کیا تم اس کے لیے تیار ہو کہ 'لا الٰہ الا اللّٰہ' کی شہادت دو۔ یہی بات عکرمہ نے کہی ہے۔ ابن زید کہتے ہیں: اس سے اسلام مراد ہے۔[1]

مفسر خازن اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ کیا تم اس کے لیے آمادہ ہو کہ شرک اور کفر سے پاک ہو جاؤ۔ اس کے یہ معنی بھی بیان ہوئے ہیں کہ تم اسلام لے آؤ اور اپنے عمل کی اصلاح کرلو۔

مزید فرماتے ہیں کہ یہاں خاص طور پر فرعون کا ذکر ہے، حالاں کہ حضرت موسیٰؑ کی دعوت فرعون کی پوری قوم کے لیے تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرعون ان کا نمایاں فرد تھا، اسے دعوت دینا اس کی قوم کو دعوت دینے کے ہم معنی تھا۔[2]

یہ ہے وہ تزکیہ جس کا مطالبہ حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کی قوم سے کیا تھا۔

تزکیہ خاندانی وراثت نہیں ہے

قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ تزکیہ وطہارت خاندانی وراثت نہیں جو افراد میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی چلی جائے، بلکہ اس کا تعلق انسان کے فکر وعمل سے ہے، اس کے لیے اسے سعی وجہد کرنی ہوگی۔ یہود کا خیال تھا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسحٰقؑ کی نسل سے ہیں اور دنیا کی قوموں میں سب سے برتر ہیں۔ وہ کچھ بھی کریں ان کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے وہ جہنم کے مستحق قرار

بھی پائے تو چند ہی روز میں پاک صاف ہوکر جنت میں پہنچ جائیں گے۔اسی طرح نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ قرار دے رکھا تھا۔وہ سمجھتے تھے کہ حضرت مسیحؑ پر ایمان لانا نجات کے لیے کافی ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاء اللّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (المائدہ:۱۸)

یہود اور نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔

قرآن مجید نے اس نامعقولیت کی جگہ جگہ تردید کی ہے۔ایک موقع پر فرمایا:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُمْ بَلِ اللّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلاَ يُظْلَمُونَ فَتِيلاً (النساء:۴۹)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ جس کا چاہتا ہے تزکیہ کرتا ہے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔

تزکیہ کی طلب ضروری ہے

سورۂ عبس کی ابتدائی آیات سے واضح ہے کہ تزکیہ کے لیے طلب کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان آیات کے ذیل میں تفسیر کی کتابوں میں مختلف سندوں سے جو واقعہ نقل ہوا ہے اس سے ان کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔[۱]

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے سرداروں کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے اور ان کے سامنے دعوت دین پیش فرما رہے تھے۔اسی دوران میں حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ پہنچ گئے۔ وہ اسلام لا چکے تھے۔اس وقت ان کا مقصد اپنی اصلاح و تربیت کے لیے ہدایات حاصل کرنا تھا۔ چناں چہ وہ پہنچتے ہی اس کی درخواست کرنے لگے۔وہ نابینا تھے اس لیے انہیں اندازہ نہ ہوسکا کہ آپ اس وقت سرداران قریش سے اہم دعوتی گفتگو میں مشغول ہیں۔آپ کو ان کی مداخلت ناگوار گزری۔ اس پر حسب ذیل آیات نازل ہوئیں:

[۱] علامہ قرطبی اس ذیل میں لکھتے ہیں: روی اہل التفسیر اجمع۔یعنی اس واقعہ کی روایت تمام مفسرین نے کی ہے، پھر اس کی تفصیل بیان کی ہے۔تفسیر قرطبی جلد۱۰، جزء۱۹، ص۱۳۸۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ o أَن جَاءَهُ الْأَعْمَیٰ o وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّیٰٓ o أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَیٰ o أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَیٰ o فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّیٰ o وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّیٰ o وَأَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعَیٰ o وَهُوَ يَخْشَیٰ o فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّیٰ o (عبس:۱-۱۰)

ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اِس بات پر کہ وہ اندھا اُس کے پاس آ گیا۔ تمھیں کیا خبر، شاید وہ سدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لیے نافع ہو؛ جو شخص بے پروائی برتتا ہے اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو، حالاں کہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر اس کی کب ذمہ داری ہے؟ اور جو خود تمہارے پاس دوڑا آتا ہے اور ڈر رہا ہے، اُس سے تم بے رخی برتتے ہو۔

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کے اندر دین کا علم حاصل کرنے اور اپنی اصلاح کی طلب تھی، وہ تزکیہ حاصل کرنا چاہ رہے تھے، اسی لیے دوڑے ہوئے آئے۔ فرمایا گیا کہ ان سے بے توجہی صحیح نہیں ہے۔ یہی طلب آدمی کو تزکیہ کی راہ میں آگے بڑھاتی ہے اور اللہ تعالیٰ بھی مدد فرماتا ہے۔ اس کا قاعدہ ہے 'يَهْدِیْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ. الشوری:۱۳' (جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے وہ راہ دکھاتا ہے)۔

ان آیات میں مزکّی کی یہ ذمہ داری بتائی گئی ہے کہ جس فرد میں تزکیہ کی طلب دیکھے اس کی طرف خاص توجہ دے۔ اس کے مقابلہ میں ان لوگوں کو اہمیت نہ دے جن کے اندر استغنا ہے اور جو کسی ہدایت اور راہنمائی سے خود کو بے نیاز سمجھتے ہیں۔ اگر وہ ہدایت قبول نہ کریں اور ایمان کی دولت سے محروم رہنا ہی پسند کریں تو فرمایا گیا کہ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ کی ذمہ داری دعوت و تبلیغ کی ہے۔ اس کے بعد وہ جو رویہ اختیار کریں اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں، آپ نہیں ہیں۔ یہاں 'تزکیہ' سے مراد اللہ پر ایمان لانا اور اس کی ہدایت قبول کرنا ہے۔[۱]

شیطان کی اطاعت سے احتراز کیا جائے

تزکیہ کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف آدمی رجوع کرے، شیطان

[۱] بغوی کہتے ہیں: (وما علیک الاّ یزکّٰی)، ان لا یؤمن ولا یھتدی ان علیک البلاغ۔ یہی بات خازن نے کہی ہے۔ تفسیر الخازن مع تفسیر البغوی: ۶/۳۶۶۔ نیز ملاحظہ ہو قرطبی، تفسیر جلد ۱۰، جزء ۱۹، ص ۱۴۰

کی پُر فریب چالوں کو سمجھے اور ان سے دور رہے۔ کسی معاملہ میں اس کے پیچھے نہ چلے۔ اس کی اتباع آدمی کو تزکیہ سے محروم کر دیتی ہے۔ تزکیہ متاعِ دنیا نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس کو حاصل ہو جائے، بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضلِ خاص ہے جو انسان کو عطا ہوتا ہے۔ یہ بات سورۂ نور میں واقعۂ افک کی مناسبت سے بیان ہوئی ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے تذکیر اور تنبیہ بھی ہے جو اس میں ملوث تھے۔ ارشاد ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَداً وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (النور:۲۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو، اس کی پیروی کوئی کرے گا تو وہ اُسے فحش اور بدی کا ہی حکم دے گا۔ اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہوسکتا۔ مگر اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے"۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کے آخری حصہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گناہوں سے توبہ اور رجوع کی، انسانی نفوس کو شرک سے، فسق و فجور سے، ان کے اندر پائی جانے والی گندگی سے اور اخلاق کی پستی سے پاک ہونے کی حسبِ حال توفیق عطا کرتا ہے۔ اس کی توفیق نہ ہو تو کوئی بھی شخص خود سے اپنے اندر تزکیہ اور خیر نہیں پیدا کر سکتا"۔[1]

یہی جذبہ تزکیہ کی اساس ہے۔ اسی سے آگے کی راہیں کھلتی ہیں۔

تزکیہ پر غرور نہ ہو

اگر کسی کو نیکی اور تقویٰ کی سعادت حاصل ہے تو اس کے اندر جذبۂ شکر ابھرنا چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ وہ خود کو برتر اور دوسروں کو کم تر سمجھنے لگے اور خود ستائی کے مرض میں مبتلا

[1] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۳/۲۷۵

ہو جائے۔ ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (النجم:۳۲)

جو بڑے بڑے گناہوں اور کھلے قبیح افعال سے پرہیز کرتے ہیں، الّا یہ کہ کچھ قصور ان سے سرزد ہو جائے۔ بلاشبہ تیرے رب کا دامنِ مغفرت بہت وسیع ہے۔ وہ تمھیں اُس وقت سے خوب جانتا ہے جب اُس نے زمین سے تمھیں پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ابھی جنین ہی تھے۔ پس اپنے نفس کی پاکی کے دعوے نہ کرو، وہی بہتر جانتا ہے کہ واقعی متقی کون ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی کبائر سے اجتناب کرے تو اللہ تعالیٰ صغائر کو معاف فرما دیتا ہے۔ وہ چاہے تو چھوٹے سے چھوٹے گناہوں کی بھی باز پرس کر سکتا ہے، یہ اس کا فضل خاص ہے کہ وہ اسے نظر انداز کر دیتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آدمی تقویٰ وطہارت اور تزکیہ کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کا کتنا تزکیہ ہوا ہے اور کس کے اندر کتنا تقویٰ پایا جاتا ہے؟ وہ انسان کے حالات سے اس کی پیدائش سے پہلے سے واقف ہے۔ اس کے بعد اس کی جو سیرت اور کردار رہا ہے وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ آدمی کا حسنِ عمل اللہ کی توفیق کا نتیجہ ہے۔ اس لیے وہ اسے اللہ کا فضل سمجھے اور اپنا کارنامہ نہ تصور کرے۔

تزکیہ اپنے فائدے کے لیے ہے

یہ بات ہرگز فراموش نہیں ہونی چاہیے کہ اگر آدمی اپنا تزکیہ کرتا ہے، دینی اور اخلاقی اعتبار سے ترقی کرتا ہے اور راہ راست پر گام زن ہے تو اللہ تعالیٰ پر یا اس کے رسول پر کوئی احسان نہیں کرتا ہے، اس میں خود اس کا فائدہ ہے۔ اس سے اس کی حیات دنیا گندگی سے پاک ہوگی اور وہ آخرت میں کامیابی سے ہم کنار ہوگا۔ سورۂ فاطر میں ایک جگہ فرمایا گیا کہ آخرت میں کسی کا بوجھ کوئی نہیں اٹھائے گا، گناہ گار اپنے رشتہ داروں کو مدد کے لیے آواز دے تو وہ بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوں گے۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَمَن تَزَكَّى فَإِنَّمَا يَتَزَكَّى لِنَفْسِهِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ (فاطر:۱۸)

(اے نبیؐ) تم صرف انہی لوگوں کو متنبہ کر سکتے ہو جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، جو شخص بھی پاکیزگی اختیار کرتا ہے اپنی ہی بھلائی کے لیے کرتا ہے اور پلٹنا سب کو اللہ ہی کی طرف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تزکیہ میں آدمی کا اپنا ہی فائدہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کا محتاج نہیں ہے۔ ہاں جب وہ گناہوں سے پاک صاف ہو کر اللہ کے دربار میں پہنچے گا تو اس کے بے پایاں اجر و ثواب سے وہ بہرہ ور ہوگا۔

سورۂ عنکبوت میں یہی بات ایک دوسرے سیاق میں بیان ہوئی ہے کہ کوئی شخص اللہ کا دین قبول کرتا ہے، اس کے لیے جدوجہد کرتا اور اپنی توانائی صرف کرتا ہے، تکلیفیں برداشت کرتا، قربانیاں دیتا اور استقامت کا ثبوت فراہم کرتا ہے تو اس میں خود اس کا فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی حاجت نہیں ہے۔ وہ کسی کے ایمان اور حسنِ عمل کا محتاج نہیں ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَن جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (العنکبوت:۶)

اور جو جدوجہد کرتا ہے وہ اپنے فائدے کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ بے شک اللہ جہاں والوں سے بے نیاز ہے۔

تزکیہ کی سعی کی جائے

ایک اہم سوال یہ ہے کہ تزکیہ کون کرے؟ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے تزکیہ کی خود کوشش کرنی چاہیئے۔ جو اپنا تزکیہ کرے گا وہ فوز و فلاح سے ہم کنار ہوگا۔ ارشاد ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۔ الاعلیٰ:۱۴ (بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے اپنا تزکیہ کیا) اس مفہوم کی متعدد آیات اسی مضمون میں گزر چکی ہیں۔ ان میں انسان کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے، کہ وہ اپنے نفس کا تزکیہ کرے، اسے ہر طرح کی آلائشوں سے پاک رکھے اور اعلیٰ اوصاف سے آراستہ کرے۔ اس پہلو سے تزکیہ آدمی کا ذاتی عمل ہے۔ اگر اس کے اندر اس کا عزم و حوصلہ نہیں ہے تو تزکیہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کا تزکیہ فرمایا

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تزکیہ پر مامور تھے۔ آپ اس امت کے مربّی اول اور مزکّیِ اعظم تھے۔ آپ نے اپنے ماننے والوں کے فکر و عمل کی اصلاح کی، اللہ سے ان کا تعلق مضبوط کیا، ان کے اندر آخرت کی فکر پیدا کی، انہیں اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کیا، ان میں وہ خوبیاں اور صفات پیدا کیں جو مطلوب تھیں، انہیں 'خیر امت' کے مقام تک پہنچایا اور دنیا کی امامت و قیادت کے قابل بنایا۔ امت کے لیے آپ مجسم اخلاص اور اس کے ایک ایک فرد کے خیر خواہ تھے۔ سب ہی کو آپ کی محبت حاصل تھی۔ بعض لوگ اس معاملہ میں شک و شبہ پیدا کرنے کی کوشش کرر ہے تھے۔ قرآن نے اس کی تردید کی اور کہا کہ منصب نبوت اس سے بالاتر ہے کہ اس طرح کے شبہات کیے جائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان پر احسان ہے کہ اس نے ان ہی میں ایک فرد کو ان کی ہدایت و راہنمائی اور اصلاح و تربیت کے لیے مبعوث فرمایا۔ (آل عمران: ١٦٣-١٦٤) یعنی ایمان کا تقاضا ہے کہ اس احسان عظیم کی قدر کی جائے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

تزکیہ اللہ عطا کرتا ہے

تزکیہ حقیقی معنیٰ میں اللہ کا انعام ہے۔ اس کی توفیق ہی سے انسان کا تزکیہ ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ تزکیہ اپنی برتری کے دعوؤں سے حاصل نہیں ہوتا بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ :النساء:٤٩۔ (بلکہ اللہ جس کا تزکیہ چاہتا ہے اس کا تزکیہ ہوتا ہے)

تزکیہ کا تعلق آخرت سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو خامیوں اور لغزشوں سے پاک صاف کرکے جنت میں پہنچائے گا۔ جو لوگ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دیں اور مفادِ دنیا کی خاطر اپنے دین کو فروخت کردیں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تزکیہ حاصل نہ ہوگا۔ یہود اپنے کردار سے اس بات کا ثبوت فراہم کرر ہے تھے کہ وہ اس تزکیہ کے مستحق نہیں ہیں۔ ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهِ ثَمَناً قَلِيْلاً

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اللہ کی نازل کردہ کتاب کو اور اس کے عوض تھوڑی سی قیمت وصول کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں

أُولَـٰئِکَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (البقرہ:۱۷۴)

صرف جہنم کی آگ بھرتے ہیں۔ قیامت کے روز اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ ان کا تزکیہ (پاک صاف) فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔[۱]

قرآن مجید میں تزکیہ کی نسبت فرد کی طرف بھی ہے اور رسول خدا ﷺ کی طرف بھی۔ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے بھی ہے۔ ہر فرد بشر سے تزکیہ کا مطالبہ ہے۔ یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا تزکیہ کرے۔ اس کے بغیر وہ فلاح نہیں پا سکتا۔ اس لیے تزکیہ کا مخاطب ہر شخص ہے۔ رسول اللہ ﷺ تزکیہ پر مامور تھے اور آپ نے اس امت کا تزکیہ فرمایا تھا، اس لیے تزکیہ کا حکم آپ سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے انسان تزکیہ حاصل کر سکتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسان اپنا تزکیہ کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی راہ نمائی فرماتے ہیں اور اللہ کی توفیق سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔

تزکیہ ایک وسیع اور ہمہ جہت عمل ہے۔ یہ خدا سے قریب ہونے اور خود کو اس کے حوالہ کر دینے کا نام ہے۔ یہ اپنی شخصیت کو پوری طرح اسلام کے سانچے میں ڈھال دینے کا عمل ہے۔ اس کے لیے مسلسل توجہ اور محنت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنی ہوگی کہ وہ اس مشکل کام میں ہماری مدد فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی:

اللھم اٰت نفسی تقواھا وزکّھا انت خیر من زکّٰھا انت ولیھا ومولاھا[۲] فاحفظھا بما تحفظ بہ عبادک الصالحین.[۳]

اے اللہ تو میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما۔ اس کا تزکیہ فرما۔ تو ہی اس کا سب سے بہتر تزکیہ کرنے والا ہے۔ تو اس کا سرپرست اور مولیٰ ہے تو اس کی اس طرح حفاظت فرما جس طرح اپنے صالح بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تزکیہ کی نعمت سے ہم سب کو سرفراز فرمائے۔

[۱] یہی بات سورۂ آل عمران (آیت نمبر ۷۷) میں بھی کہی گئی ہے۔
[۲] مسلم، کتاب الذکر والدعاء۔ مسند احمد: ۴/۳۷۱، نسائی، کتاب الاستعاذہ، باب الاستعاذۃ من العجز
[۳] مسلم، کتاب الذکر والدعاء

تصنیفی تربیت کورس

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ اپنے زمانۂ قیام ہی سے بحث وتحقیق کے ساتھ نوخیز اہل قلم کو اسلامی موضوعات پر تصنیف وتالیف کی تربیت بھی فراہم کرتا ہے۔ اس شعبہ سے فائدہ اٹھا کر بہت سے حضرات آج ملک وبیرون ملک میں اہم علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس دوسالہ تربیتی کورس کے لیے انتخاب انٹرویو کی بنیاد پر ہوگا۔ منتخب ہونے والے افراد کو ادارہ کی نئی اور کشادہ عمارت میں قیام کی سہولت کے ساتھ دوہزار روپیہ ماہانہ وظیفہ بھی دیا جائے گا۔

مطلوبہ اہلیت: (۱) درخواست دہندہ کسی کالج یا یونیورسٹی سے ایم اے ہو اور اسلامیات اور عربی کی اچھی استعداد رکھتا ہو۔ (۲) کسی معروف عربی مدرسہ سے فضیلت یا اس کے مساوی سند کا حامل ہو اور ہائی اسکول کے معیار کی انگریزی کی صلاحیت رکھتا ہو۔

درخواست کے ساتھ حسب ذیل معلومات فراہم کی جائیں

(۱) نام (۲) عمر (۲۵ سال سے زیادہ نہ ہو) (۳) پورا پتہ (۴) تعلیمی استعداد (اسناد و مارک شیٹ کی نقول کے ساتھ) (۵) کورس کے علاوہ مطالعہ کی تفصیل (۶) مطبوعہ یا غیر مطبوعہ مضامین کی نقول (۷) دلچسپی کے موضوعات کی تفصیل (۸) تحریک اسلامی سے متعلق یا کسی معروف شخصیت کا تصدیق نامہ۔

جن افراد کو انٹرویو کے لیے بلایا جائے گا انہیں ایک طرف کا سلیپر کلاس کا ریل کرایہ ادا کیا جائے گا۔

درخواست اس اشتہار کی اشاعت کے ایک ماہ کے اندر اس پتے پر بھیجیں:

ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی

سکریٹری ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی

پان والی کوٹھی، دودھ پور، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ (یوپی) Mob.09412562972

Email: tahqeeqat_islami@yahoo.com+tahqeeqateislami@gmail.com